

مقبوضہ کشمیر: حالیہ انتخابات اور مودی حکومت کے عزائم

عبدالرشید ترابی

ریاست جموں و کشمیر پر برطانیہ کی آئیر باد سے کانگریسی قیادت نے مہاراجا سے ساز باز کر کے ۱۹۴۷ء میں فوجی قبضہ کیا اور بھارت کے ساتھ نام نہاد الحاق کا ڈراما رچایا گیا۔ ابتدائی دستاویز الحاق کے مطابق مہاراجا کی موروثی حکمران کی حیثیت ختم کی گئی اور داخلی سطح پر صدر ریاست، وزیر اعظم ایک دوا یونانی پارلیمان کے ساتھ ایسی با اختیار حکومت کا جھانسا دیا گیا جو قانون سازی اور ریاست کے معاملات میں مکمل طور پر با اختیار قرار دی گئی، البتہ دفاع، مواصلات، کرنسی اور امور خارجہ کے محکمے مرکز کے سپرد کیے گئے۔ اس فارمولے کے مطابق شیخ عبداللہ کو بھی ششے میں اتارا گیا اور بالآخر ریاست کی وزارت عظمیٰ ان کے سپرد کی گئی، لیکن آہستہ آہستہ ۱۹۴۹ء کے سیز فائر اور کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادیں پاس ہونے کے بعد بھارت کی مرکزی سرکار نے ریاست کے اختیارات چھیننے کا عمل شروع کر دیا۔

نہرو اور شیخ عبداللہ کے گہرے دوستانہ مراسم کے پس منظر میں شیخ صاحب کے لیے نہرو کی حکومت کا رویہ ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کے برعکس ثابت ہوا جس پر شیخ صاحب نے احتجاج کیا اور ۱۹۵۳ء میں انھیں حکومت سے فارغ کر کے جیل میں ڈال دیا گیا، جب کہ ان کے ایک قریبی ساتھی بخشی غلام محمد کو کھٹ پٹی وزیر اعظم بنا دیا۔ اس کے ذریعے ریاست کے اختیارات سلب کرنے کی حکمت عملی جاری رکھی۔ آہستہ آہستہ گورنر اور وزیر اعظم کی اصطلاحات کو وزیر اعلیٰ کی اصطلاح سے تبدیل کر دیا گیا اور ریاست کی داخلی خود مختاری بھی تحلیل ہوتی چلی گئی۔ بھارتی حکمران ریاست کے عارضی الحاق کو مستقل ادغام میں بدلنے کی کوشش کرتے رہے۔

بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ کی رو سے بھارتی یونین میں ریاست جموں و کشمیر کی ایک خصوصی حیثیت تسلیم کی گئی ہے۔ ایک طرف سے تو اس دفعہ کی رو سے بھارتی صدر کو ریاست میں ایگزیکٹو آرڈر کے تحت احکامات اور قوانین نافذ کرنے کا جواز بخشا گیا ہے، جب کہ دوسری طرف دفعہ ۳۷۰ اور دفعہ ۸-۳۵ کی روشنی میں مہاراجا کے سٹیٹ سبجیکٹ کے قانون کو تحفظ دیا گیا ہے جس کی رو سے غیر ریاستی شہریوں کو قانونی طور پر نہ ریاست کی شہریت دی جاسکتی ہے اور نہ وہ جاہداد خرید سکتے ہیں اور نہ ووٹری بن سکتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں صوبہ جموں میں ایک منظم سازش کے تحت بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ صرف ۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور باقی لاکھوں کو حراساں کر کے ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ ان کی جاہدادیں اگرچہ عارضی طور پر وہاں کنسٹوڈین کے سپرد کی گئیں اور پنجاب اور غربی پاکستان میں سے غیر ریاستی سکھوں اور ہندوؤں کو جموں میں بسایا گیا جن کی تعداد اب آٹھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ ایک طویل عرصے سے بھارتی حکومتیں سٹیٹ سبجیکٹ قانون کو ختم کر کے انھیں ریاست کا مستقل شہری بنانا چاہتی ہیں تاکہ ریاست کے آبادی کے تناسب کو تبدیل کر کے اس کا مسلم تشخص ختم کیا جاسکے۔

اس پس منظر میں نریندر مودی نے اپنے انتخابی منشور میں کشمیر کے حوالے سے دفعہ ۳۷۰ کو ختم کر کے اس کے بھارتی یونین میں مکمل ادغام کا اظہار کیا اور ان مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے مقبوضہ ریاست کے حالیہ انتخابات میں جارحانہ انتخابی مہم بھی چلائی۔ ایک ایک علاقے میں خود دورہ کیا اور صوبہ جموں کے غیر مسلم ووٹروں کو بالخصوص اپنی اس انتہا پسندانہ سوچ سے ہم آہنگ کرنے کی پوری کوشش کی اور یہ ہدف دیا کہ ریاستی اسمبلی کی گل ۸۷ نشستوں میں سے ۴۴ سے زائد نشستوں پر بہر صورت کامیابی حاصل کرنی ہے۔ گذشتہ ستمبر میں سیلاب سے وادی کشمیر اور جموں میں ۵۵ لاکھ سے زیادہ لوگ متاثر ہوئے۔ ان کے بحالی کے عمل کو بھی اپنی انتخابی کامیابی کے ساتھ مشروط کیا۔ ارب ہاروپے کے وسائل جھونکنے کے باوجود نریندر مودی ایک بھی مسلم نشست پر کامیابی حاصل نہ کر سکے، البتہ صوبہ جموں کی ۳۷ میں سے ۲۵ نشستیں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت وہ ریاست میں اپنی بارگینگ پوزیشن مستحکم کرنے اور اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انھیں استعمال کر رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمان ووٹروں (بالخصوص وادی کشمیر) کے مسلمان ووٹروں نے نریندر مودی

کے ایجنڈے کو ناکام کرنے کے لیے وادی میں مفتی سعید کی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) کو بڑے پیمانے پر ووٹ دیے اور بعض حلقوں میں بی جے پی کے امیدوار کو ہرانے کے لیے عمر عبداللہ کی نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے امیدواران کو کامیاب کیا۔ مسابقت کی اس فضا میں ایک طرف تو غیر مسلم ووٹروں کے ٹرن آؤٹ میں اضافہ ہوا اور دوسری طرف مسلم انتخابی حلقوں میں مسلمانوں نے بی جے پی کے ایجنڈے کو ناکام کرنے کے لیے بڑی تعداد میں ووٹ ڈالے۔ حالانکہ قائدین حریت اور متحدہ جہاد کونسل نے الیکشن کے بائیکاٹ کی اپیل بھی کر رکھی تھی لیکن ووٹروں نے ووٹ ڈالتے وقت میڈیا پر برملا اپنے اس موقف کا اظہار کیا کہ ان کی تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ وابستگی اپنی جگہ برقرار ہے۔ ان کے مطابق روزمرہ مسائل سے نبھنے کے لیے ووٹ ڈالنا ہماری مجبوری ہے اور اس لیے بھی کہ ہم بی جے پی کے عزائم کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ تاہم اس مرحلے پر ریندر مودی کے ۴۴ نشستوں کے نظریے کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اب ایک معلق اسمبلی قائم ہو چکی ہے جس میں ۲۸ نشستوں کے ساتھ پی ڈی پی پہلی پوزیشن پر ہے۔ ۲۵ نشستیں بی جے پی کے حصے میں آئیں، ۱۵ نشستیں کانگریس اور ۱۲ نشستیں کانفرنس، جب کہ چند سیٹیں آزاد اور چھوٹی پارٹیوں نے بھی حاصل کیں۔

اس صورت حال میں کوئی ایک پارٹی بھی اپنی بنیاد پر حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں، لہذا گورنر راج نافذ کر دیا گیا ہے۔ نتیجتاً ایک مخلوط حکومت ہی بن سکتی ہے۔ اگرچہ مسلمان ووٹروں کی خواہش ہے کہ بی جے پی کے علاوہ باقی جماعتیں مل کر حکومت بنائیں لیکن بھارت کی مرکزی حکومت اور بھارتی ایجنسیاں پی ڈی پی اور بی جے پی کی مخلوط حکومت قائم کرنا چاہتی ہیں جس کے لیے اصولی اتفاق کے باوجود اختلاف وزارت اعلیٰ کی میعاد پر ہے۔ پی ڈی پی یہ چاہتی ہے کہ آئندہ چھ سال کے لیے مخلوط حکومت کی سربراہی مفتی سعید کریں اور نائب وزیر اعلیٰ بی جے پی کا کوئی غیر مسلم نمائندہ بن جائے، جب کہ بی جے پی کا اصرار ہے کہ مخلوط حکومت میں تین تین سال کی حکومت بنائی جائے۔ اگر بی جے پی کی شرائط پر حکومت بنی تو ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی مرتبہ ریاست جموں و کشمیر میں ایک غیر مسلم وزیر اعلیٰ مسند اقتدار پر فائز ہو سکے گا۔ اس موقع پر پی ڈی پی عجیب محضے کا شکار ہے کہ اگر وہ بی جے پی کی شرائط پر مخلوط حکومت بناتی ہے تو بڑے پیمانے پر عوامی حمایت

سے محروم ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ وادی کشمیر میں بالخصوص اور ریاست کے دوسرے حصوں میں بالعموم کسی بھی طور پر اہل کشمیر بی جے پی کے امیدوار کو وزارت اعلیٰ کی کرسی پر براہمان نہیں دیکھنا چاہتے۔ بی جے پی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس وقت مرحوم کشمیری رہنما عبدالغنی لون کے صاحب زادے سجاد غنی لون، جن کی پارٹی کے پاس پیپلز کانفرنس کی دو نشستیں ہیں اور وہ بی جے پی کے اتحادی بھی ہیں، وزارت اعلیٰ کے حصول کے لیے سرگرم ہیں۔ حکومت جو بھی بنائے گا بہر حال یہ طے ہے کہ مقبوضہ ریاست کی پاور پارلیمنٹس میں کشیدگی اور عدم استحکام کا سلسلہ جاری رہے گا اور جوں جوں بی جے پی ریاست میں اپنے ایجنڈے کو نافذ کرنے کی کوشش کرے گی، اسی رفتار سے اس کے خلاف عوامی مزاحمت بھی مزید منظم اور شدید ہوتی چلی جائے گی۔ صورت حال کے اس دباؤ کی وجہ سے حریت کانفرنس کے مختلف دھڑے بھی مشترکہ لائحہ عمل پر صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ اس وقت تحریک آزادی کشمیر اور تحریک مزاحمت کی سخت ضرورت ہے کہ حریت قائدین اپنے اس بنیادی تائیسسی ایجنڈے پر متفق ہو جائیں جس سے بعض رہنماؤں کے انحراف کی وجہ سے حریت کانفرنس تقسیم ہوگی۔ یہ اتحاد بی جے پی کی حکمت عملی کا توڑ کرنے کے لیے ایک اہم ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف بھارت کے پالیسی ساز جب انتخابی عمل کے ذریعے اپنے عزائم میں نامراد ہوئے تو انھوں نے ریاست کے آبادی کے تناسب کو تبدیل کرنے کی متوازی تدبیر اختیار کرنا شروع کر دی ہیں۔ غربی پاکستان سے ۱۹۴۷ء میں منتقل ہونے والے ۸ لاکھ غیر مسلم کمیونٹی کے ساتھ ساتھ ۹۰ء کی دہائی میں جگموہن کی تحریک پر ۳ لاکھ بے گھر پنڈت کمیونٹی جو جموں اور دہلی کی مختلف کالونیوں میں مقیم ہیں، کی باز آباد کاری کے لیے ہندستان کی وزارت داخلہ نے سفارشات مرتب کیں جنھیں حکومت قانون کی شکل میں نافذ کرنا چاہتی ہے۔ جن کی رو سے ایک طرف تو وادی میں پنڈتوں کی محفوظ بستیوں کے لیے (جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی محفوظ بستیوں کی تعمیر کی گئی ہے) بڑے وسائل مختص کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ انھیں شہری حقوق دیے جائیں۔ خاص طور پر جموں میں ۸ لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو سٹیٹ سبجیکٹ تسلیم کیا جائے، نیز ان کے لیے اسمبلی کی آٹھ نشستیں بھی وقف کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگر مودی کی حکومت خدا نخواستہ اپنے عزائم میں کامیاب ہوئی تو ریاستی اسمبلی میں مسلم اور غیر مسلم ممبران میں

فرق بھی ختم ہو سکتا ہے اور یہی ان کا ہدف ہے۔

ان خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بلاشبہ حریت کانفرنس غور و فکر کر رہی ہے لیکن بھارت کے یہ عزائم بنیادی طور پر کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کی سپرٹ پر بھی سنگین وار ہے۔ اس لیے کہ ریاست جموں و کشمیر سے جو لوگ ہجرت کر کے پاکستان و آزاد کشمیر میں منتقل ہوئے ان کی جاہلادوں کو غیر ریاستی ہندوؤں اور سکھوں کے سپرد کرنا اقوام متحدہ کی قراردادوں کی رو سے قطعاً ناجائز اور ناقابل برداشت امر ہے۔ اس سلسلے میں حکومت پاکستان کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں اٹھائے اور ہندوستان کو مجبور کرے کہ وہ ریاست کے آبادی کے تناسب کی تبدیلی کی سازشوں سے باز آئے۔ اس لیے کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی رو سے ناظم رائے شماری کا تقرر اس کو اختیارات اور وسائل کی فراہمی سری نگر حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہاں کسی ایسی حکومت کا مسلط ہونا جو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی پوری سپرٹ کے خلاف ہو یقینی طور پر تشویش ناک امر ہے اور اس پر اقوام متحدہ کو خود بھی نوٹس لینا چاہیے۔ حکومت پاکستان کو بھی اس امر پر فی الفور کردار ادا کرنا چاہیے اور اس بات پر زور دینا چاہیے کہ کشمیری مسلمانوں کی جاہلادیں ہندوؤں کو سپرد کرنے کے بجائے جو مہاجرین جموں و کشمیر میں بے گھر ہو کر اپنے گھر یا چھوڑ چکے ہیں انھیں باز آباد کاری کا موقع ملنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ رائے شماری کی شرائط کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔

بہر حال بی جے پی اور نریندر مودی جو بھی ہتھکنڈے استعمال کریں کشمیری اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہیں اور اس سارے گیم پلان میں سید علی گیلانی صاحب کا یہ موقف بھی درست ثابت ہوا کہ بھارت نواز پارٹیاں اور لیڈر ہی مقبوضہ ریاست پر بھارتی قبضے کے لیے آلہ کار ہیں۔ انھیں کشمیریوں کے حال پر رحم کرنا چاہیے، اپنی پارٹی اور خاندان کے مفادات سے بالاتر ہو کر اب اس نتیجے پر پہنچ جانا چاہیے کہ ہندو بنیا کسی طور پر ان کی وفاداری پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وقت آ گیا کہ یہ نام نہاد قائدین کھل کر حریت کے موقف کی تائید کریں۔ اگر یہ جماعتیں اسمبلی کے ایوان سے بھی نام نہاد الحاق کو چیلنج کریں تو آئندہ نسلیں انھیں معاف کر سکتی ہیں، ورنہ تاریخ انھیں غداروں اور مجروہوں کے کٹہرے میں کھڑا کرے گی۔